محسنِ انسانیتؐ

ایک نظر میں

(حضورِ پاکؐ کی شخصیت کا اجمالی خاکہ)

از
جناب نعیم صدیقی صاحب

خطابت تکلم ہی کا ایک اہم جزو خطابت ہے۔ محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم ایک عظیم پیغام کے حامل تھے اور اس کے لیے خطابت ناگزیر ضرورت تھی۔ خطابت یوں بھی عربوں کی دولت تھی پھر قریش تو اس صنعت سے خاص طور پر مالا مال تھے۔ عرب اور قریش کے خطیبانہ ماحول سے حضورؐ بہت بلند رہے۔ فریضۂ قیادت نے جب بھی تقاضا کیا آپ کی زبان کبھی نسیم سحر کی طرح، کبھی آب جُو کی طرح اور کبھی تیغِ برق دم کی طرح متحرک ہو جاتی۔

وعظ و تقریر کی کثرت سے آپ نے پرہیز کیا اور معاشرہ کی ضروریات اور اس کے ظرف کو دیکھ کر اعتدال سے قوتِ خطابت کا استعمال کیا۔ مسجد میں خطاب فرماتے تو اپنی چھڑی پر سہارا لیتے اور میدانِ جنگ میں تقریر فرمانا ہوتی تو کمان پر ٹیک لگاتے۔ کبھی کبھار سواری پر سے خطاب کیا ہے۔ تقریر میں جسم دائیں بائیں جھوم جانا، ہاتھوں کو حسب ضرورت حرکت دیتے، تقریر میں بعض مواقع پر والذی نفسی بیدہ یا والذی نفس محمد بیدہ (قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے یا محمدؐ کی جان ہے) کہہ کر قسم کھاتے۔ لہجے میں بھی اور چہرے پر بھی دل کے حقیقی جذبات جھلکتے اور سامعین پر اثر انداز ہوتے۔ اُس انسانِ اعظمؐ کے خطابات دلوں کو ہلا دیتے تھے ہم یہاں صرف دو مثالیں دیں گے۔ حُنین و طائف کے معرکہ کے بعد حضورؐ نے مالِ غنیمت تقسیم کیا تو مؤلفۃ القلوب، کی قرآنی مد کے تحت نو مسلم رؤسائے مکہ کو اس میں سے بہت سا

حصّہ دیا تاکہ ان کے دل مزید نرم ہوں اور وہ احسان کے رشتے سے اسلامی ریاست کے ساتھ مربوط تر ہو جائیں۔ انصار میں کچھ لوگوں نے عجیب سے احساسات کی رَو دوڑا دی۔ کہا گیا کہ:

"رسول اللہؐ نے قریش کو خوب انعامات دیئے اور ہمیں محروم رکھا، حالانکہ ہماری تلواروں سے اب تک خون کی بوندیں ٹپک رہی ہیں۔"

"مشکلات میں ہم یاد آتے ہیں اور حاصلِ غنیمت دوسرے لوگ لے جاتے ہیں۔"

یہ چرچے حضورؐ کے کانوں تک بھی پہنچے۔ ایک چرمی خیمہ نصب کیا گیا اور اس میں انصار کا اجتماع بلایا گیا۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ تم لوگوں نے ایسی اور ایسی باتیں کہی ہیں؟ جواب ملا کہ "آپؐ نے جو سُنا وہ صحیح ہے۔ مگر یہ باتیں ہم میں سے ذمّہ دار لوگوں نے نہیں کہیں، کچھ نوجوانوں نے ایسے فقرے کہے ہیں۔" واقعہ کی تحقیق کے بعد آپؐ نے یہ تقریر کی:

"کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم لوگ پہلے گمراہ تھے، خدا نے میرے ذریعے سے تم کو ہدایت دی؟ تم منتشر اور پراگندہ تھے، خدا نے میرے ذریعے سے تم کو متحد اور متفق کیا؟ تم مفلس تھے، خدا نے میرے ذریعے سے تم کو آسودہ حال کیا؟ [ہر سوال پر انصار کہتے جاتے تھے کہ بالشبہ اللہ اور رسولؐ کا بہت بڑا احسان ہم پر ہے]۔

نہیں، تم یہ جواب دو کہ اے محمدؐ! تم کو جب لوگوں نے جھٹلایا تو ہم نے تمہاری تصدیق کی، تم کو جب لوگوں نے چھوڑ دیا تو ہم نے پناہ دی، تم جب مفلس ہو کر آئے تھے تو ہم نے ہر طرح کی مدد کی۔ تم جواب میں یہ کہتے جاؤ اور میں کہتا جاؤں گا کہ ہاں تم سچ کہتے ہو۔ لیکن اے گروہِ انصار! کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے جائیں اور تم محمدؐ کو لے کر اپنے گھروں کو جاؤ۔"[1]

کلام کا اتار چڑھاؤ دیکھیے، خنجرِ خطابت کی اس دھار کو دیکھیے جو نازک جذبات سے صیقل کی گئی تھی، پھر اس کی روانی دیکھیے، مطالب کی پلٹیاں دیکھیے، پھر یہ غور کیجیے کہ کس طرح

---

[1] بخاری جلد دوم صفحہ ۶۲۰

خطیبؐ نے بالآخر مطلوبہ کیفیت سامعین میں پوری طرح اُبھار دی۔ انصار بے اختیار چیخ اٹھے کہ "ہم کو صرف محمدؐ درکار ہیں۔"

ابتدائی دورِ دعوت میں کوہِ صفا کے خطبہ کے علاوہ متعدد بار آپؐ نے قریش کے سامنے تقاریر فرمائی ہیں۔ اس دور کے ایک خطبہ کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:۔

"إِنَّ الرَّائِدَ لَا يَكْذِبُ أَهْلَهُ، وَاللّٰهِ لَوْ كَذَبْتُ النَّاسَ جَمِيعًا مَا كَذَبْتُكُمْ، وَلَوْ غَرَرْتُ النَّاسَ جَمِيعًا مَا غَرَرْتُكُمْ۔ وَاللّٰهِ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ إِنِّي لَرَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ خَاصَّةً وَإِلَى النَّاسِ كَافَّةً۔ وَاللّٰهِ لَتَمُوتُنَّ كَمَا تَنَامُونَ وَلَتُبْعَثُنَّ كَمَا تَسْتَيْقِظُونَ وَلَتُحَاسَبُنَّ بِمَا تَعْمَلُونَ وَلَتُجْزَوُنَّ بِالْإِحْسَانِ إِحْسَانًا وَبِالسُّوْءِ سُوْءً وَإِنَّهَا لَجَنَّةٌ أَبَدًا أَوْ لَنَارٌ أَبَدًا۔"[1]

ترجمہ: "قافلے کا دیدبان اپنے ساتھیوں کو کبھی غلط اطلاع نہیں دیا کرتا۔ خدا کی قسم اگر بالفرضِ محال میں اور سب لوگوں سے جھوٹ کہنے پر تیار بھی ہو جاتا تب بھی تم سے غلط بات ہرگز نہ کہتا۔ اگر بالفرضِ محال میں دوسرے تمام لوگوں کو ہلاکت و خطرہ سے دوچار کر دیتا تو بھی تم کو کبھی خطرہ میں مبتلا نہ کرتا۔ اُس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی اور الٰہ نہیں میں تمہاری طرف خصوصیت سے اور تمام انسانوں کی طرف جامع طور سے خدا کا مقرر کردہ رسول ہوں۔ بخدا تم کو لازماً مرنا ہے جیسے کہ تم سو جاتے ہو اور پھر مرنے کے بعد تم کو جی اٹھنا ہے جیسے کہ تم نیند سے بیدار ہو جاتے ہو۔ تم سے لازماً تمہارے کاموں کا حساب لیا جانا ہے اور تمہیں بھلے کا بدلہ بھلا اور برے کا بدلہ برا ضرور ملنا ہے۔ یا تو ہمیشہ کے لیے جنت ہوگی، یا ہمیشہ کے لیے دوزخ!"

کیا ہی سادہ اندازِ بیان ہے۔ کتنا عقلی اور جذباتی اپیل ہے۔ داعی کی خیرخواہی ایک ایک

[1] جمہرۃ الخطب ص۵۱

لفظ سے ٹپکی پڑتی ہے۔ پھر یقین کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ چھوٹے سے اس خطبے میں تمثیل سے بھی کام لیا گیا ہے۔ توحید، رسالت اور آخرت کی بنیادی دعوت پوری طرح سموئی ہوئی ہے۔

حضورؐ کے معرکۃ الآرا خطبے دو اور ہیں جن میں سے ایک فتح مکہ کے موقع پر اور دوسرا حجۃ الوداع کے موقع پر دیا۔ ان خطبوں کا مزاج انتہائی انقلابی ہے اور ان میں ایمان، اخلاق اور اقتدار تینوں کی گونج سنائی دیتی ہے۔ حجۃ الوداع کا خطبہ تو گویا ایک دورِ نو کے افتتاح کا اعلان ہے۔

عام سماجی رابطہ بڑے بڑے کام کرنے والے لوگ بالعموم رابطۂ عام کے لیے وقت نہیں نکال سکتے اور نہ ہر طرف توجہ دے سکتے ہیں بعض بڑے لوگوں میں خلوت پسندی اور خشکیٔ مزاج پیدا ہو جاتی ہے اور کچھ کبر کا شکار ہو کر اپنے لیے ایک عالم بالا بنا لیتے ہیں۔ مگر حضورؐ انتہائی عظمت کے مقام پر فائز ہو کر اور تاریخ کا رُخ بدلنے والے کارنامے انجام دے کر عوامی حلقوں سے پوری طرح مربوط تھے اور جماعت اور معاشرہ کے افراد سے شخصی اور نجی تعلق رکھتے تھے۔ علیحدگی پسندی یا کبر یا یبوست کا شائبہ تک نہ تھا۔ درحقیقت آپ نے جس نظامِ اخوت کی تاسیس فرمائی تھی یہ اس کا اہم تقاضا تھا کہ لوگ باہم دگر مربوط رہیں، ایک دوسرے کے کام آئیں اور ایک دوسرے کے حقوق پہچانیں۔ بخلاف اس کے آج جو تمدن مغرب میں نشوونما پا گیا ہے اس میں "کسے را با کسے کارے نباشد" کی فضا بڑی انسانیت کش ہو گئی ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی میں اس فضا کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ آئیے ہم حضورؐ کو عام سماجی رابطوں کے دائرے میں دیکھیں

آپؐ کا معمول تھا کہ راستہ میں ملنے والوں سے سلام کہتے اور سلام کہنے میں پہل کرتے۔ کسی کو پیغام بھجواتے تو ساتھ سلام ضرور کہلواتے۔ کسی کا سلام پہنچایا جاتا تو بھیجنے والے کو بھی اور لانے والے کو بھی جدا جدا سلام کہتے۔ ایک بار لڑکوں کی ٹولی کے پاس سے گزرے تو ان کو سلام کیا۔ عورتوں کی جماعت کے قریب سے ہو کر نکلے تو ان کو سلام کیا۔ گھر میں داخل ہوتے ہوئے اور گھر سے نکلتے ہوئے گھر کے لوگوں کو بھی سلام کہتے۔ احباب سے معانقہ بھی فرماتے اور مصافحہ بھی۔ مصافحہ سے ہاتھ اس وقت تک نہ کھینچتے جب تک دوسرا خود ہی اپنا ہاتھ الگ نہ کرتا۔

مجلس میں جاتے تو اس امر کو ناپسند کرتے کہ صحابہ تعظیم کے لیے کھڑے ہوں مجلس کے کنارے ہی بیٹھ جاتے، کندھوں پر سے پھاند کر بیچ میں گھسنے سے احتراز فرماتے۔ فرمایا: اَجْلِسُ کَمَا یَجْلِسُ الْعَبْدُ (اسی طرح اٹھتا بیٹھتا ہوں جس طرح خدا کا ایک بندہ اٹھتا بیٹھتا ہے۔ روایت عائشہؓ) اپنے زانو ساتھیوں سے بڑھا کر نہ بیٹھتے۔ کوئی آتا تو اعزاز کے لیے اپنی چادر بچھا دیتے۔ آنے والا جب تک خود نہ اٹھتا آپ مجلس سے الگ نہ ہوتے۔

اہلِ مجلس کی گفتگو میں غیر متعلق موضوع نہ چھیڑتے بلکہ جو سلسلۂ کلام چل رہا ہوتا اسی میں شامل ہو جاتے۔ چنانچہ نمازِ صبح کے بعد مجلس رہتی اور اس میں صحابہ سے خوب باتیں ہوتیں جاہلیت کے قصے چھڑ جاتے اور ان پر خوب ہنسی بھی ہوتی۔[1] صحابہ شعر بھی پڑھتے۔ جس موضوع سے اہلِ مجلس کے چہروں سے اکتانے کا اثر محسوس ہوتا اسے بدل دیتے۔ ایک ایک فردِ مجلس پر توجہ فرماتے، تاکہ کوئی یہ نہ محسوس کرے کہ کسی کو اس پر آپ نے فوقیت دی ہے۔ دورانِ تکلّم کوئی شخص غیر متعلق سوال چھیڑ دیتا تو اسے نظر انداز کر کے گفتگو جاری رکھتے اور سلسلہ پورا کر کے پھر اس کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ خطاب کرنے والے کی جانب سے اس وقت تک رُخ نہ پھیرتے جب تک وہ خود مُنہ نہ پھیر لیتا۔ کان میں کوئی سرگوشی کرتا تو جب تک وہ بات پوری کر کے منہ نہ ہٹا لیتا آپ برابر اپنا سر اسی کی طرف جھکائے رکھتے۔ کسی کی بات کو کبھی نہ کاٹتے، اِلّا یہ کہ حق کے خلاف ہو۔ اس صورت میں یا تو ٹوک دیتے، یا چہرے پر ناگواری آجاتی یا اٹھ کر چلے جاتے۔ ناپسند تھا کہ کھڑے کھڑے کوئی اہم بحث چھیڑ دی جائے۔ ناپسندیدہ باتوں سے اوّل تو اعراض فرماتے ورنہ گرفت کرنے کا عام طریقہ یہ تھا کہ براہِ راست نام لے کر ذکر نہ کرتے بلکہ عمومی انداز میں اشارہ کرتے یا جامع طور پر نصیحت کر دیتے۔ انتہائی تکدّر کی صورت میں جو فقط دینی امور میں ہوتا تھا احباب کو احساس دلانے کے لیے زیادہ سے زیادہ یہ طریقِ اظہار تھا کہ یا تو شخص متعلق کے آنے پر سلام قبول نہ کرتے یا عدمِ التفات دکھاتے۔ ناپسندیدہ آدمی کے آنے پر بھی خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ چنانچہ ایک بار کوئی آیا جسے آپ

[1] روایت جابرؓ بن سمرہ (مسلم)

بئس اخو العشیرہ یا بئس ابن العشیرہ (اپنے گروہ کا بُرا آدمی) سمجھتے تھے۔ مگر آپؐ نے بے تکلفی سے بات چیت کی۔ حضرت عائشہؓ کو اس پر تعجب ہُوا تو آپؐ نے فرمایا ؛ "قسم ہے کہ قیامت کے دن خدا کے حضور وہ شخص بدترین آدمی کا مقام پائے گا جس سے لوگ اس کی بدسلوکی کے ڈر سے ملنا جُلنا چھوڑ دیں[1]"

کسی کی ملاقات کو جاتے تو دروازے کے دائیں یا بائیں کھڑے ہو کر اطلاع دینے اور اجازت لینے کے لیے تین مرتبہ سلام کہتے۔ جواب نہ ملتا تو بغیر کسی احساس تکدر کے واپس چلے آتے۔ رات کو کسی سے ملنے جاتے تو اتنی آواز میں سلام کہتے کہ اگر وہ شخص جاگتا ہو تو سن لے اور سو رہا ہو تو نیند میں خلل نہ آئے۔

بدن یا لباس سے کوئی شخص تنکا یا مٹی وغیرہ ہٹاتا تو شکریہ ادا کرتے ہوئے فرماتے مَسَحَ اللہُ عَنْکَ مَا تَکْرَہُ (خدا تم سے ہر اس شے کو دُور کرے جو تمہیں بُری لگے)۔ ہدیہ قبول کرتے اور جواباً ہدیہ دینے کا خیال رکھتے۔ کسی شخص کو اتفاقاً کوئی تکلیف پہنچ جاتی تو اسے بدلہ لینے کا حق دیتے اور کبھی عوض میں کوئی ہدیہ دیتے۔ کوئی شخص نیا لباس پہن کر سامنے آتا تو فرماتے: حَسَنَۃٌ، حَسَنَۃٌ، اَبْلِ وَاَخْلِقْ (یعنی خوب ہے خوب! دیر تک پہنو، بوسیدہ کرو)۔ بدسلوکی کا بدلہ بُرے سلوک سے نہ دیتے بلکہ عفو و درگزر سے کام لیتے۔ دوسرے کے قصور معاف کر دینے کی اطلاع کے ساتھ اپنا عمامہ علامت کے طور پر بھیج دیتے۔ کوئی پکارتا تو خواہ وہ گھر کا آدمی ہو یا رفقا میں سے، ہمیشہ "لبیک" (حاضر ہوں) کہتے۔

بیماروں کی عیادت کو اہتمام سے جاتے۔ سرہانے بیٹھ کر پوچھتے "کَیْفَ تَجِدُکَ ؟" (تمہاری طبیعت کیسی ہے)؟ بیمار کی پیشانی اور نبض پر ہاتھ رکھتے۔ کبھی سینے اور پیٹ پر دستِ شفقت پھیرتے اور کبھی چہرے پر۔ کھانے کو پوچھتے۔ بیمار کسی چیز کی خواہش کرتا تو اگر مضر نہ ہوتی تو منگوا دیتے۔ تسلی دیتے اور فرماتے "لَا بَاْسَ اِنْشَاءَ اللہُ طَھُوْرٌ" (فکر کی کوئی بات نہیں، خدا نے چاہا تو جلد

[1] المواہب اللدنیہ ج ۱ صد ۲۹۱ (بخاری)

صحت یاب ہو گئے)۔ شفا کے لیے دعا فرماتے۔ حضرت سعد کے لیے تین بار دعا کی۔ مشرک چچاؤں کی بیمار پرسی بھی کی، ایک یہودی بچے کی عیادت بھی فرمائی (جو ایمان لے آیا)۔ اس کام کے لیے کوئی دن اور وقت مقرر نہ تھا۔ جب بھی اطلاع ملتی اور وقت ملتا تشریف لے جاتے۔

ایک بار حضرت جابرؓ بیمار پڑے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفیقِ خاص حضرت ابوبکرؓ کو اپنے ساتھ لیے ہوئے پیدل خاصی دوری تک چل کر گئے (مدینہ کی آبادی پھیلی ہوئی تھی)۔ حضرت جابر بے ہوش پڑے تھے۔ آپؐ نے دیکھا۔ پھر وضو کیا، پانی کے چھینٹے دیے۔ دعا کی اور مریض کی حالت سنبھلنے لگی۔ چنانچہ حضرت جابرؓ نے بات چیت کی اور اپنے ترکہ کے متعلق مسائل پوچھے۔

تواضع کی انتہا یہ تھی کہ منافقین کے لیڈر عبداللہ بن ابی تک کی عیادت فرمائی۔

جب کسی شخص کی وفات ہو جاتی تو تشریف لے جاتے۔ عالمِ نزع میں بلایا جاتا یا از خود اطلاع پا کر پہنچتے تو توحید اور توجہ الی اللہ کی تلقین کرتے۔ میت کے لواحقین سے ہمدردی کا اظہار فرماتے، صبر کی نصیحت کرتے اور چلّانے اور بکا کرنے سے روکتے۔ سفید کپڑوں میں اچھا کفن دینے کی تاکید کرتے اور تجہیز و تکفین میں جلدی کراتے۔ جنازہ اٹھتا تو ساتھ ساتھ چلتے۔ مسلمانوں کے جنازے خود پڑھاتے اور مغفرت کے لیے دعا کرتے۔ کوئی جنازہ گزرتا ___ تو چاہے وہ غیرمسلم کا ہو ___ کھڑے ہو جاتے (بیٹھے رہنے کی روایت بھی ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ قیام کا طریقہ منسوخ ہو گیا تھا ___ ملاحظہ ہو: زاد المعاد ج ۱ ص ۱۴۵)۔ تلقین فرماتے کہ میت کے گھر والوں کے لیے دوسرے لوگ کھانا پکا کر بھجوائیں۔ (کجا آج یہ الٹی رسمیت مسلط ہے کہ میت والے گھر میں دوسروں کی ضیافت ہوتی ہے)۔ ناپسند تھا کہ باقاعدہ مجلسِ تعزیت کا سلسلہ ایک رسمی ضابطے کے طور پر کئی روز جاری رہے۔

کوئی مسافر سفر سے واپس آتا اور حاضری دیتا تو اس سے معانقہ کرتے۔ بعض اوقات پیشانی چوم لیتے۔ کسی کو سفر کے لیے رخصت فرماتے تو کہتے کہ بھائی ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا۔

محبت آمیز بے تکلفی میں کبھی کبھی احباب کے ناموں کو مختصر کر کے بھی پکار لیتے جیسے ابا ہریرہ کے بجائے "ابا ہِر"۔ حضرت عائشہ کو کبھی کبھار "عائش" کہہ کر پکارتے۔

بچوں سے بہت دلچسپی تھی۔ بچوں کے سر پہ ہاتھ پھیرتے، پیار کرتے، دعا فرماتے ننھے بچے لائے جاتے تو ان کو گود میں لے لیتے۔ ان کو بہلانے کے لیے عجیب سے کلمے کہتے یعنی خَوْقَه خَرْقَه فِي عَيْنِ كُلِّ بَقَّه[1]۔ ایک معصوم بچے کو بوسہ دیتے ہوئے فرمایا۔ اِنَّهُمْ لَمِنْ رَيْحَانِ اللهِ (یہ بچے تو خدا کے باغ کے پھول ہیں)۔ بچوں کے نام تجویز کرتے۔ بچوں کو قطار میں جمع کر کے انعامی دوڑ لگواتے کہ دیکھیں کون ہمیں پہلے چھو لیتا ہے۔ بچے دوڑتے ہوئے آتے تو کوئی سینہ پر گرتا، کوئی پیٹ پر۔ بچوں سے دل لگی بھی کرتے۔ مثلاً حضرت انسؓ کو کبھی کبھی پیار سے کہا "یَا ذَا الْاُذُنَیْنِ" (او، دو کانوں والے) حضرت انسؓ کے بھائی ابو عمیر کا پالا ہوا ممولا مر گیا تو وہ اداس بیٹھا تھا۔ حضورؐ آئے تو پکار کر کہا: "یا ابا عمیر، ما فعل النغیر!" (ابو عمیر! تمہارے ممولے کو کیا ہوا) عبداللہ بن بشیر کے ہاتھ ان کی والدہ نے ہدیہ کے طور پر انگور حضورؐ کی خدمت میں بھیجے۔ صاحبزادے میاں راستے میں کھا گئے۔ بعد میں معاملہ کھلا تو آپؐ پیار سے عبداللہ کے کان پکڑ کر کہتے "یَا غُدَر! یَا غُدَر!" (او دھوکے باز، او دھوکے باز!)۔ سفر سے آرہے ہوتے تو جو بچہ راستے میں ملتا اسے سواری پر بٹھا لیتے۔ چھوٹا ہوتا تو آگے، بڑا ہوتا تو پیچھے۔ فصل کا میوہ پہلی بار آتا تو دعائے برکت مانگ کر کم عمر بچے کو دے دیتے۔ آپ کے پیش نظر تھا کہ یہی نئی پود آئندہ تحریک اسلامی کی علمبردار ہوگی۔

بوڑھوں کا احترام فرماتے۔ فتح مکہ کے موقع پر حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے ضعیف العمر والد کو (جو بینائی سے بھی محروم ہو چکے تھے) بیعتِ اسلام کے لیے آپؐ کی خدمت میں لائے۔ فرمایا: انہیں کیوں تکلیف دی، میں خود ان کے پاس چلا جاتا۔

مروّت کی انتہا یہ تھی کہ مدینہ کی ایک عورت جس کی عقل میں کچھ فتور تھا، آتی ہے اور کہتی ہے کہ مجھے کچھ کہنا ہے۔ آپ اسے فرماتے ہیں کہ تم چلو کسی کوچے میں انتظار کرو، میں ابھی آتا ہوں۔ چنانچہ اس کی بات جا کر سنی اور اس کا کام کر کے دیا[2]۔ ایسا ہی ایک واقعہ عدی بن حاتم

---

[1] بعض لوگوں نے معنی نکالنے کی کوشش کی ہے (ہر مچھر کی آنکھ میں ٹڈی کا جھرمٹ ہے) مگر بظاہر یہ ویسے ہی کلمات ہیں جیسے ہر ملک میں بچوں کو بہلانے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ [2] المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۲۹۵

نے بھی دیکھا تھا اور حضورؐ کی مروت کو نبوت کی علامت کے طور پر لیا۔

میل جول کی زندگی میں آپ کے حُسنِ کردار کی تصویر حضرت انس نے خوب کھینچی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"میں دس برس تک حضورؐ کی خدمت میں رہا اور آپ نے کبھی مجھے اُف تک نہ کہی۔ کوئی کام جیسا بھی کیا، نہیں کہا کہ یہ کیوں کیا اور کوئی کام نہ کیا تو نہیں کہا کہ کیوں نہیں کیا۔ یہی معاملہ آپ کا خادموں اور کنیزوں کے ساتھ رہا۔ آپؐ نے ان میں سے کسی کو کبھی نہیں مارا۔"

اس کی تصدیق حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ازواج یا خادموں میں سے نہ کبھی کسی کو مارا، نہ کسی سے کوئی ذاتی انتقام لیا — بجز اس کے کہ آپؐ خدا کے راستے میں جہاد کریں یا قانونِ الٰہی کے تحت اس کی مقرر کردہ حرمتوں کے تحفظ کے لیے کارروائی کریں۔

خالص نجی زندگی اکثر بڑے لوگ وہ کہلاتے ہیں جو پبلک لائف کے لیے ایک مصنوعی کردار کا چغہ پہنے رکھتے ہیں جو نجی زندگی میں اتر جاتا ہے۔ باہر دیکھیے تو بڑی آن بان ہے، گھر پہنچے تو انتہائی پستی میں جا گرے۔ باہر سادگی اور تواضع دکھائی، گھر کو پلٹے تو عیش و تنعم میں ڈوب گئے۔ پبلک اور پرائیویٹ زندگی میں کسی شخص کے ہاں جتنا زیادہ اختلاف اور فاصلہ ہوتا ہے، اتنا ہی اس کا مرتبہ ادنیٰ ہوتا ہے۔ حضورؐ کو دیکھیے تو ایک ہی رنگ گھر میں بھی ہے اور گھر سے باہر بھی۔

حضرت عائشہؓ سے کسی نے دریافت کیا کہ رسولِ خدا اپنے گھر میں کیا کیا کرتے تھے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا: آپ آدمیوں میں سے ایک آدمی تھے۔ اپنے کپڑوں کی دیکھ بھال خود ہی کر لیتے (کہ ان میں کوئی جوں وغیرہ نہ چڑھ آئی ہو)، بکری کا دودھ خود دوہتے اور اپنی ضرورتیں خود ہی پوری کر لیتے[1]۔ نیز اپنے کپڑوں کو خود ہی پیوند لگا لیتے۔ اپنے جوتے کی مرمت کر لیتے اور یہ کہ اپنے ڈول کو ٹانکے لگا لیتے، بوجھ اٹھاتے، جانوروں کو چارہ ڈالتے، کوئی خادم ہوتا تو اس کے

[1] ملاحظہ ہو: شمائل ترمذی - باب ما جاء فی تواضع رسول اللہ صلعم -

ساتھ مل کر کام کرا دیتے، (مثلاً) اسے آٹا پسوا دیتے، کبھی اکیلے ہی مشقت کر لیتے[1] بازار جانے میں عار نہ تھی۔ خود ہی سودا سلف لاتے اور ضرورت کی چیزیں ایک کپڑے میں باندھ کر اٹھا لاتے۔

لوگوں نے یہ بھی دریافت کیا کہ رسول خدا جب گھر میں ہوتے تو کیا رنگ رہتا۔ حضرت عائشہؓ بتاتی ہیں: "اَلْیَنُ النَّاسِ بَسَّامًا ضَاحِکًا" (سب سے زیادہ نرم خو، متبسم، خندہ جبیں!) اور اس لینت کی شان یہ تھی کہ "کبھی کسی خادم کو جھڑکا نہیں"[2] حق یہ ہے کہ "رسول خدا سے بڑھ کر کوئی بھی اپنے اہل و عیال کے لیے شفیق نہ تھا"۔ (مسلم)

ایک بار حضرت امام حسینؓ کے پوچھنے پر حضرت علیؓ نے بیان کیا کہ رسول خدا گھر میں آتے تو اپنا وقت تین طرح کی مصروفیتوں میں صرف کرتے۔ کچھ وقت خدا کی عبادت میں صرف ہوتا، کچھ وقت اہل و عیال کے لیے تھا اور کچھ وقت اپنے آرام کے لیے۔ پھر انہی اوقات میں سے ایک حصہ ملاقاتیوں کے لیے نکالتے جن میں مسجد کی عام مجالس کے علاوہ خصوصی گفتگو کرنے والے احباب یا مہمان آ کر ملتے یا کچھ لوگ ضروریات و حاجات لے کر آتے[3] دیکھا جائے تو آرام کے لیے بہت ہی کم وقت رہ جاتا تھا۔

ازواج مطہرات کے نان و نفقہ اور مختلف ضروریات کا انتظام بھی آپؐ کو کرنا ہوتا۔ پھر ان کی تعلیم و تربیت بھی آپؐ کے ذمے تھی۔ پھر انہی کے ذریعے طبقۂ خواتین کی اصلاح کا کام جاری رہتا، عورتیں اپنے مسائل لے کر آتیں اور ازواج مطہرات کی معرفت دریافت کرتیں۔ اس کے باوجود گھر کی فضا کو آپؐ نے کبھی خشک اور بوجھل نہ بننے دیا اور نہ اس میں کوئی مصنوعی انداز پیدا ہونے دیا۔ گھر ایک انسانی گھر کی طرح تھا جس کی فضا میں فطری جذبات کا مدوجزر رہتا ۔۔۔ اس میں آنسوؤں کی جھلک بھی ہوتی اور تبسموں کی لمعانی بھی، محبتیں بھی کارفرما تھیں اور کبھی کبھار رشک کا کھچاؤ بھی پیدا ہوتا، پریشانیاں بھی رہتیں اور تفریح کے لمحات بھی آتے۔ حضورؐ اس باغ میں آتے تو نسیم کے جھونکے

---

[1] [2] المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۲۹۳

[3] شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

کی طرح آتے اور ایک عجیب شگفتگی پھیل جاتی۔ بات چیت ہوتی، کبھی کبھار قصہ گوئی بھی ہوتی اور دلچسپ لطائف بھی وقوع میں آتے۔ مثلاً اپنا ایک واقعہ حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے خزیرہ (گوشت کا قیمہ کر کے پانی میں پکاتے اور پھر اس پر آٹا چھڑکتے جو ساتھ ہی پکتا) تیار کیا۔ حضرت سودہؓ بھی موجود تھیں اور رسولِ خدا دونوں کے درمیان بیٹھے تھے۔ بے تکلفی کی فضا تھی۔ میں نے سودہ سے کہا کہ کھاؤ۔ انہوں نے انکار کیا۔ پھر اصرار سے کہا کہ کھاؤ۔ انھوں نے انکار کیا۔ پھر اصرار سے کہا کہ نہیں ضرور کھانا ہوگا۔ انھوں نے پھر انکار کیا۔ ادھر سے پھر کہا گیا کہ اس میں سے کھاؤ ورنہ میں اٹھا کر تمہارے منہ پر مل دوں گی۔ حضرت سودہؓ نے بھی ہٹ دکھائی۔ حضرت عائشہ نے خزیرہ میں ہاتھ ڈالا اور واقعی حضرت سودہؓ کے چہرے پر لیپ دیا۔ اس بے تکلفی پر حضورؐ خوب ہنسے اور سودہ سے کہا کہ تم اس کے منہ پر ملو تاکہ حساب برابر ہو جائے۔ چنانچہ سودہؓ نے ایسا ہی کیا۔ حضورؐ مکرر ہنسے[1]۔

ایک موقع پر حضرت ابوبکرؓ آئے تو حضرت عائشہ کو حضورؐ کے ساتھ شوخی سے بات کرتے پایا۔ غضبناک ہو کر مارنے کو چلے۔ حضورؐ نے ان کو ٹھنڈا کیا کہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ اسی غصے میں جناب صدیق چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد آپؐ نے بڑے تیکھے انداز میں حضرت عائشہؓ سے کہا: دیکھا! ہم نے تمہیں اس شخص سے کیسے بچا لیا۔

گھریلو زندگی کے اس فطری اتار چڑھاؤ کو بعض لوگ اسلامیت کے تصور سے فروتر پاتے ہیں اور خصوصاً نبی کریمؐ کے گھر کا نقشہ کچھ ایسا ذہن میں رکھتے ہیں کہ اس میں کوئی غیر انسانی پتلے رہتے تھے جن میں نہ کوئی جذبہ تھا، نہ خواہش ـــ حالانکہ وہ گھر انسانوں کا گھر تھا اور اس میں سارے انسانی جذبات کام کرتے تھے، مگر اس گھر میں معصیت نہ تھی۔ اس لحاظ سے وہ نمونے کا گھر تھا۔ راتوں کو جب حضورؐ بستر پر ہوتے تو اہل و عیال سے عام باتیں ہوتیں ـــ کبھی گھریلو امور پر، کبھی عام مسلمانوں کے مسائل پر، یہاں تک کہ کبھی قصہ کہانی بھی سناتے۔ ایک بار آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے ام زرع کی کہانی بیان کی

[1] المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۲۹۶

اس کہانی میں گیارہ عورتیں اپنے اپنے خاوندوں کا کردار آپس میں بیان کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک عورت ام زرع اپنے خاوند ابوزرع کا من موہنا کردار پیش کرتی ہے۔ یہ کہانی ادبی لحاظ سے بڑی دلچسپ ہے۔ خاتمے پر حضورؐ نے حضرت عائشہ سے کہا کہ میں بھی تمہارے حق میں ویسا ہی ہوں جیسا کہ ابوزرع ام زرع کے لیے تھا۔ اسی طرح کسی دوسرے موقع پر کوئی قصہ سنایا تو سننے والیوں میں سے ایک نے کہا کہ یہ تو خرافہ کے قصوں جیسا ہے (عرب میں خرافہ کی ایک روایتی شخصیت تھی جس سے بہت سے حیرت ناک قصے منسوب تھے) حضورؐ نے کہا کہ جانتی بھی ہو کہ خرافہ کی کیا حقیقت تھی پھر آپؐ نے خرافہ کی روایتی شخصیت کا قصہ بھی بیان کیا کہ بنو عذرہ کے اس آدمی کو جن پکڑ کرلے گئے تھے اور کچھ عرصہ کے بعد واپس چھوڑ گئے[1]

عمر بھر معمول رہا کہ رات کے دوسرے نصف حصے کے اوائل میں بیدار ہوکر مسواک و وضو کے بعد تہجد ادا فرماتے[2]۔ قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے ہوئے بعض اوقات اتنا لمبا قیام فرماتے کہ قدم مبارک متورم ہو جاتے[3]۔ صحابہؓ نے اس مشقت پر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تو آپؐ کو غفران خاص سے نوازا ہے (قَدْ غَفَرَ لَکَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ) پھر اس قدر حضورؐ جان کیوں گھلاتے ہیں؟ فرمایا: "اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا"۔ کیا میں خدا کا احسان شناس اور شکر گزار بندہ نہ بنوں[4]؟

گھر اور اس کے ساز و سامان کے متعلق آپؐ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ زندگی اس طرح گزاری جائے جیسے مسافر گزارتا ہے۔ فرمایا کہ میری مثال اس مسافر کی سی ہے جو تھوڑی دیر کے لیے سائے میں آرام کرے اور پھر اپنی راہ لے۔ مراد یہ ہے کہ جو لوگ آخرت کو منتہا بنائیں اور دنیوی زندگی کو ادائے فرض یا امتحان کے طور پر گزاریں اور جنہیں یہاں کسی بڑے نصب العین کے لیے جدوجہد کرنی ہو ان کے لیے کیا موقع ہے کہ اعلیٰ درجہ کے مسکن بنائیں اور ان کو ساز و سامان سے آراستہ کریں بلکہ پھر

---

[1] شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی السمر [2] زاد المعاد

[3] شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی عبادۃ رسول اللہ صلعم [4] ایضاً

ان میں مگن رہ کر لطف اٹھائیں۔ چنانچہ آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں نے نہ اعلیٰ درجہ کی عمارتیں بنائیں اور نہ ان میں اسباب جمع کیے اور نہ ان کی زینت و آرائش کی فکر کی۔ ان کے گھر بس "بہترین مسافرانہ قیام گاہیں تھیں"[۱]۔ ان میں گرمی سردی سے بچنے کا اہتمام تھا، جانوروں کی مداخلت سے بچاؤ کا انتظام تھا، پردہ داری (PRIVACY) کا بندوبست تھا اور حفظانِ صحت کے ضروری پہلو ملحوظ تھے[۲]۔ حضورؐ نے مسجد کے ساتھ ازواج کے لیے حجرات (چھوٹے چھوٹے کمرے) بنوا لیے تھے۔ بجز صفائی کے اور کسی طرح کی آرائش نہ تھی۔ صفائی میں ذوقِ نبوت یہاں تک تھا کہ صحابہ کو تاکید فرمائی "گھروں کے آنگن صاف رکھو"[۳]۔

ساز و سامان میں چند برتن نہایت سادہ قسم کے تھے۔ مثلاً ایک لکڑی کا پیالہ (بادیہ) تھا۔ جس پر لوہے کے پتر لگے تھے اور کھانے پینے میں اس کا بکثرت استعمال ہوتا تھا۔ خوراک کا سامان جمع تو کیا ہوتا، روز کا روز بھی کافی مقدار میں میسر نہ ہوتا۔ بستر چمڑے کے گدّے پر مشتمل تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوتی تھی۔ بان کی بُنی ہوئی چارپائی رکھتے۔ ٹاٹ کا بستر بھی استعمال میں رہا جو دوہرا کر کے بچھایا جاتا۔ ایک بار چوہرا کر کے بچھایا گیا تو صبح دریافت فرمایا کہ آج کیا خصوصیت تھی کہ مجھے گہری نیند آئی اور تہجد چھوٹ گئی۔ معلوم ہونے پر حکم دیا کہ بستر کو پہلے ہی حال پر رہنے دیا جائے۔ زمین پر چٹائی بچھا کر بھی لیٹنے کا معمول تھا۔ بعض اوقات، کھری چارپائی کے نشانات بدن پر دیکھ کر رفقائے خاص (مثلاً حضرت عمرؓ و عبداللہ بن مسعودؓ) رو دیئے[۴]۔

ذرا حضرت عمرؓ کا چشم دید نقشہ سامنے لائیے۔ واقعۂ ایلاء کے زمانے میں انھوں نے حضورؐ کو اس عالم میں دیکھا کہ "آپ کھری چارپائی پر لیٹے ہیں اور جسم پر نشان پڑ گئے ہیں، اِدھر اُدھر دیکھا تو ایک طرف مٹھی بھر جَو رکھے ہیں، ایک کونے میں کسی جانور کی کھال کیلی سے لٹک رہی ہے۔ یہ منظر دیکھ کر میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے"۔ حضورؐ نے رونے کا سبب پوچھا تو عرض کی

[۱] زاد المعاد - فی تدبیرہ لامر المسکن - ج ۲ ص ۱۲۲ [۲] ایضاً [۳] روایت ابن المسیب (ترمذی)

[۴] ملاحظہ ہو: شمائل ترمذی - باب ماجاء فی فراش رسول اللہ صلعم

کہ قیصر و کسریٰ تو عیش کریں اور آپ ﷺ کا یہ حال رہے" فرمایا: عمر! کیا تم اس پر خوش نہیں کہ وہ لوگ دنیا لے جائیں اور ہمیں آخرت ملے؟[1]

اکل و شرب | کھانے پینے کا ذوق بہت نفیس تھا۔ گوشت سے خاص رغبت تھی، زیادہ ترجیح دست، گردن اور پیٹھ کے گوشت کو دیتے، نیز پہلو کی ہڈی پسند تھی۔ ثرید یعنی گوشت کے شوربے میں روٹی ڈبو کر تناول فرمانا مرغوب تھا۔ پسندیدہ چیزوں میں شہد، سرکہ، خربوزہ، ککڑی، لوکی، کھچڑی، مکھن وغیرہ اشیا شامل تھیں۔ دودھ کے ساتھ کھجور (بہترین مکمل غذا بنتی ہے) کا استعمال بھی اچھا لگتا اور مکھن لگا کے کھجور کھانا بھی ذوق میں شامل تھا۔ کھرچن (دیگ) سے بھی انس تھا۔ ککڑی نمک لگا کر اور خربوزہ شکر لگا کر بھی کھاتے مریضوں کی پرہیزی غذا کے طور پر حریرہ کو اچھا سمجھتے اور تجویز بھی فرماتے۔ میٹھا پکوان بھی مرغوب خاص تھا۔ اکثر جَو کے ستو بھی استعمال فرماتے۔ ایک مرتبہ بادام کے ستو پیش کیے گئے تو یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ امرا کی غذا ہے۔ گھر میں شوربا پکتا تو کہتے کہ ہمسائے کے لیے ذرا زیادہ بنایا جائے۔

پینے کی چیزوں میں نمبر ایک پر میٹھا پانی تھا۔ اور بطورِ خاص دو روز کی مسافت سے منگوایا جاتا دودھ، پانی ملا دودھ (جسے کچی لسی کہا جاتا ہے) اور شہد کا شربت بھی رغبت سے نوش فرماتے۔ غیر نشہ دار نبیذ بھی قرینِ ذوق تھی۔ مشکیزے یا پتھر کے برتن میں پانی ڈال کر کھجور بھگو دی جاتی اور اسے متواتر دن بھر استعمال کرتے۔ لیکن وقت زیادہ ہوتے پر چونکہ نشہ ہونے کا اندیشہ ہو جاتا لہذا پھنکوا دیتے۔ بہ روایت ابو مالک اشعری یہ فرمایا بھی کہ میری امت میں سے بعض لوگ شراب پئیں گے اور اس کا نام بدل کر کچھ اور رکھ دیں گے (چنانچہ سلاطین مابعد نے نبیذ کے نام سے نشیات کا استعمال کیا)۔

افراد کا الگ الگ بیٹھ کر کھانا ناپسند تھا، اکٹھے ہو کر کھانے کی تلقین فرمائی۔ میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے کو اپنی شانِ فقر کے خلاف سمجھتے، اسی طرح دسترخوان پر چھوٹی چھوٹی پیالیوں اور طشتریوں میں کھانا رکھا جانا بھی خلافِ مزاج تھا۔ سونے چاندی کے برتنوں کو بالکل حرام فرما دیا تھا۔ کانچ، مٹی، تانبے اور لکڑی کے برتنوں کو استعمال میں لاتے رہے۔ دسترخوان پر ہاتھ دھونے کے بعد جوتا اتار کر بیٹھتے۔

---

[1] اصح السیر، ج ۱، صفحہ ۲، نیز صحیح مسلم باب فی الرجل یطلق امرأتہ، روایت عبداللہ ابن عباس۔

سیدھے ہاتھ سے کھانا لیتے اور اپنے سامنے کی طرف سے لیتے، برتن کے وسط میں ہاتھ نہ ڈالتے۔ ٹیک لگا کر کھانا پینا بھی خلافِ معمول تھا۔ دو زانو یا اکڑوں بیٹھتے۔ ہر لقمہ لینے پر بسم اللہ پڑھتے۔ ناپسندیدہ کھانا بغیر عیب نکالے خاموشی سے چھوڑ دیتے۔ زیادہ گرم کھانا نہ کھاتے۔ کبھی کبھار چھری سے پکا ہوا گوشت کاٹ کاٹ کر بھی کھایا ہے، مگر یہ پر تکلف طریقہ مرغوب نہ تھا۔ [1] کھانا ہمیشہ تین انگلیوں سے لیتے اور ان کو لتھڑنے نہ دیتے۔ کبھی کبھار میوہ یا پھل کھڑے ہو کر یا چلتے ہوئے بھی کھا لیا۔ دو پھل اکٹھے بھی کھائے، مثلاً ایک ہاتھ میں خربوزہ لیا اور دوسرے میں کھجور۔ کھجور کی گٹھلی الٹے ہاتھ سے پھینکتے دعوت ضرور قبول فرماتے اور اگر اتفاقاً کوئی دوسرا آدمی (بات چیت کرتے ہوئے یا کسی اور سبب سے) ساتھ ہوتا تو اسے لے تو جاتے مگر صاحبِ خانہ سے اس کے لیے اجازت لیتے۔ مہمان کو کھانا کھلاتے تو بار بار اصرار سے کہتے کہ اچھی طرح بے تکلفی سے کھاؤ۔ کھانے کی مجلس سے بہ تقاضائے مروت سب سے آخر میں اٹھتے۔ دوسرے لوگ اگر پہلے فارغ ہو جاتے تو ان کے ساتھ ہی آپ بھی اٹھ جاتے۔ فارغ ہو کر ہاتھ ضرور دھوتے۔ دعا کرتے جس میں خدا کی نعمتوں کے لیے ادائے شکر کے کلمات ہوتے، نیز طلبِ رزق فرماتے اور صاحبِ خانہ کے لیے برکت چاہتے۔ کھانے کی کوئی چیز آتی تو حاضر دوستوں کو باصرار شریک کرتے اور غیر حاضر دوستوں کا حصہ رکھ دیتے۔ پھل وغیرہ کھانے کی مجلس میں ایک ایک دانہ لینے کی تربیت آپ نے دی۔ پانی غٹ غٹ کی آواز نکالے بغیر پیتے اور بالعموم تین بار پیالہ منہ سے الگ کر کے سانس لیتے اور ہر بار آغاز "بسم اللہ" سے اور اختتام "الحمد للہ والشکر للہ" پر کرتے۔ عام طریقہ بیٹھ کر پانی پینے کا تھا۔ مگر کبھی کبھی کھڑے ہو کر بھی پیا ہے۔ پینے کی چیز مجلس میں آتی تو بالعموم داہنی جانب سے دور چلاتے اور جہاں ایک دور ختم ہوتا، دوسرا وہیں سے شروع کرتے۔ بڑی عمر کے لوگوں کو ترجیح دیتے، مگر داہنے ہاتھ والوں کے مقررہ استحقاق کی بنا پر ان سے اجازت لے کر ہی ترتیب توڑتے۔ احباب کو کوئی چیز پلاتے تو خود سب سے آخر میں پیتے اور فرماتے کہ "ساقی آخر میں پیا کرتا ہے"۔ کھانے پینے کی چیزوں میں پھونک مارنا یا ان کو سونگھنا ناپسند تھا

[1] روایت عمر بن امیہ (بخاری و مسلم)، نیز روایت عائشہؓ (ابو داؤد و بیہقی)

سانس میں بُو کا ہونا چونکہ خلافِ مزاج تھا اس لیے کچی پیاز اور لہسن کا استعمال ہمیشہ ناپسند رہا کھانے پینے کی چیزوں کو ڈھانکنے کا حکم دیا ہے۔ کوئی نیا کھانا سامنے آتا تو کھانے سے پہلے اس کا نام معلوم فرماتے زہر خورانی کے واقعہ کے بعد معمول ہو گیا تھا کہ اگر کوئی اجنبی شخص کھانا کھلاتا تو پہلے ایک آدھ لقمہ خود اسے کھلاتے[1]

ذوق کی اس نفاست کے ساتھ دوسری طرف اکثر اوقات فقر و فاقہ کا عالم درپیش رہا جس کی تفصیل ہم دوسری جگہ دیں گے۔ فرمایا آکل کما یاکل العبد۔ میرا کھانا پینا ایسا ہے جیسے (خدا کے) کسی بندے کا ہونا چاہیے۔

نشست و برخاست | کبھی اکڑوں بیٹھتے کبھی دونوں ہاتھ زانوؤں کے گرد حلقہ زن کر لیتے۔ کبھی ہاتھوں کے بجائے کپڑا (چادر وغیرہ) لپیٹ لیتے۔ بیٹھے ہوئے ٹیک لگاتے تو بالعموم اُلٹے ہاتھ پر۔ فکر یا سوچ کے وقت بیٹھے ہوئے زمین کو لکڑی سے کُریدتے۔ سونے کے لیے سیدھی کروٹ سوتے اور دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر داہنا رخسار رکھ لیتے۔ کبھی چت بھی لیٹتے اور پاؤں پر پاؤں بھی رکھ لیتے مگر ستر کا اہتمام رکھتے۔ پیٹ کے بل اوندھا لیٹنا سخت ناپسند تھا اور اس سے منع فرماتے تھے۔ ایسے تاریک گھر میں سونا پسند نہ تھا جس میں چراغ نہ جلایا گیا ہو۔ کھلی چھت پر جس کی پردے کی دیوار نہ ہو، سونا اچھا نہ سمجھتے۔ وضو کر کے سونے کی عادت تھی اور سوتے وقت مختلف دعائیں پڑھنے کے علاوہ آخری تین سورتیں (سورۂ اخلاص اور معوذتین) پڑھ کر بدن پر دم کر لیتے[2]۔ سوتے ہوئے ہلکی آواز سے خراٹے لیتے۔ رات میں فضلائے حاجت کے لیے اُٹھتے تو فارغ ہونے کے بعد ہاتھ منہ ضرور دھو لیتے[3]۔ سونے کے لیے ایک تہ بند علیحدہ تھا۔ کرتا اتار کر ٹانگ دیتے۔

بشری حاجات | ضرورت کے لیے چونکہ اس دور میں گھروں میں بیت الخلا نہ تھا اس لیے حضور جنگل جاتے۔ عموماً اتنی دور تک جاتے (۲، ۲ میل تک) کہ نظروں سے اوجھل ہو جاتے۔ ایسی نرم زمین تلاش کرتے کہ چھینٹے نہ اڑیں۔ موقع حاجت پر پہلے بایاں قدم رکھتے اور پھر دایاں۔ بیٹھتے ہوئے

---

[1] ملاحظہ ہو شمائل ترمذی (ابواب متعلقہ) [2] مختلف اذکار و ادعیہ کو ہم دوسرے موقع پر لائیں گے [3] شمائل ترمذی

زمین کے بالکل قریب ہوکر مقام ستر سے کپڑا کھولتے۔ کسی ٹیلے وغیرہ کی آڑ ضرور لیتے۔ ضرورت کے لیے ہمیشہ جوتا پہن کر اور سر ڈھک کر نکلتے۔ قبلہ کی طرف منہ یا پشت کرنے سے اجتناب تھا۔ رفع حاجت کے وقت انگوٹھی الگ کر دیتے (واضح رہے کہ اس پر خدا اور رسول کے اسماء کندہ تھے)۔ آبدست بالالتزام بائیں ہاتھ ہی سے کرتے۔ جائے ضرور سے الگ ہوتے ہوئے پہلے دایاں پاؤں اٹھاتے پھر بایاں۔

غسل کے لیے پردہ ضروری قرار دیا تھا۔ گھر میں نہاتے تو کپڑے کا پردہ تانا جاتا۔ کبھی بارش میں نہاتے تو تہ بند باندھ لیتے۔

چھینک پست آواز سے لیتے اور ہاتھ یا کپڑا مُنہ پر رکھ لیتے۔

سفر سفر کے لیے جمعرات کو روانگی زیادہ پسند تھی۔ سواری کو تیز چلاتے۔ پڑاؤ سے صبح کے وقت کوچ کرنا معمول رہا۔ سفر (CAMP LIFE) میں جو اجتماعی کام درپیش ہوتے ان میں ضرور حصہ لیتے۔ چنانچہ ایک بار کھانا تیار کرنے کی مہم تھی۔ سارے ساتھیوں نے کام تقسیم کیے آپؐ نے بھی لکڑیاں چُننا اپنے ذمہ لیا۔ کہا گیا کہ آپؐ تکلیف نہ کریں، ہم سب اس کام کے لیے کافی ہیں۔ فرمایا کہ مجھے امتیاز پسند نہیں[1]۔ سفر میں اپنی سواری پر باری باری کسی نہ کسی پیادہ ساتھی کو شریک کرتے۔ سفر سے رات میں واپس آنا پسند نہ تھا۔ آتے تو سیدھے گھر جانے کے بجائے مسجد میں جا کر نفل ادا کرتے۔ گھر میں اطلاع ہو جانے کے بعد اطمینان سے جاتے۔

جذبات انسانیت کا کوئی تصور ہم جذبات کو الگ رکھ کر نہیں کر سکتے۔ حضورؐ میں بھی انسانی جذبات بہترین اسلوب پر کارفرما تھے۔ آپؐ بہت ہی صاحب احساس ہستی تھے اور خوشی میں خوشی اور غم میں غم سے متاثر ہوتے۔

حضورؐ ان نام نہاد بڑے لوگوں میں سے نہ تھے جو دنیا جہان کے غم میں گھلے جاتے ہیں لیکن گھر کے لیے سنگ دلی اور تغافل کیش ثابت ہوتے ہیں۔ باہر کی زندگی پُر ہنگامہ ہوتی ہے۔

---

[1] المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۲۹۴

گھر کی پھیکی اور بدمزہ۔ آپؐ کو ازواج کے ساتھ سچی محبت تھی۔ حضرت عائشہؓ کے ساتھ ایک ہی پیالہ میں پانی پیتے اور جہاں وہ منہ لگاتیں۔ وہیں منہ لگاتے۔ انصار کی بچیوں کو بلواتے تاکہ وہ ان کے ساتھ کھیلیں۔ حبشیوں کا ناٹک اس انداز سے دکھایا کہ حضرت عائشہ کی ٹھوڑی آپؐ کے کندھے پر تھی۔ بار بار پوچھتے کہ "کیا تم سیر ہوگئی ہو؟" وہ کہتیں "ابھی نہیں!" دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا[۱]۔ حضرت صفیہ کو اونٹ پر سوار کرنے کے لیے آپؐ اپنا گھٹنا بڑھا دیتے اور اس پر آنجناب اپنا پیر رکھکر سوار ہو جاتیں۔ ایک مرتبہ سفر میں ناقہ کا پاؤں پھسلا اور حضورؐ اور جناب صفیہ دونوں گر پڑے۔ ابو طلحہ ساتھ تھے، دوڑے ہوئے آپؐ کے پاس آئے۔ آپؐ نے فرمایا پہلے خاتون کی طرف توجہ کرو۔ ایک بار ساربان نے اونٹوں کو تیز چلایا تو فرمانے لگے: "دیکھو، آبگینے ہیں آبگینے! ذرا احتیاط سے[۲]"۔ اسی محبت کی وجہ سے ایک بار شہد نہ کھانے کی قسم کھالی تھی جس پر عتاب آیا کہ حلال شے کو حرام نہ کرو[۳]۔

اپنے بچوں کے لیے بھی حضورؐ کے جذبات بڑے گہرے تھے۔ حضرت ابراہیم کو رضاعت کے لیے ایک لوہار کے گھر میں مدینہ کے بالائی حصے میں رکھا گیا تھا۔ ان کو دیکھنے کے لیے خاصا فاصلہ چل کر تشریف لے جاتے۔ گھر میں دھواں بھرا ہوتا، مگر وہاں بیٹھتے اور بچے کو گود میں لے کر پیار کرتے[۴]۔

حضرت فاطمہؓ آتیں تو اٹھ کر استقبال کرتے۔ خود تشریف لے جاتے۔ اپنی کہتے، ان کی سنتے۔ ان کے صاحبزادوں، امام حسن و امام حسین سے بہت ہی پیار تھا۔ ان کو گود میں لیتے۔ ان کو

---

۱ المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۲۹۶ ۲ مسلم و بخاری

۳ مغربی اہلِ قلم نے حضورؐ کی اس صاف ستھری ازدواجی زندگی کو مخالفت کا ہدف بنایا ہے، حالانکہ خود ان کے تمدن نے جو بلند ترین اور ذمہ دار ترین شخصیتیں پیدا کی ہیں وہ نہ صرف گھر کے دائرے میں رکاکت تک پہنچ جاتی ہیں بلکہ اس دائرے سے باہر بھی انہیں نفسانیت گھناؤنی پستیوں میں گراتی رہتی ہے۔ حضورؐ کا حال یہ تھا کہ ساری دلچسپیاں دائرہ ازدواج تک محدود تھیں اور ان میں بھی رنگ پاکیزگی نمایاں تھا۔ آپؐ نے فطرت کے تقاضوں کو شائستگی کی حدود میں رہ کر باحسن طریق پورا کیا اور ازدواجی محبت کا ایک مہذب اسلوب پیدا کیا۔ ۴ بروایت انسؓ۔

کندھوں پر سوار کرتے، ان کے لیے گھوڑا بنتے، حالتِ نماز میں بھی ان کو کندھوں پر بیٹھنے دیتے۔ ایک بار اقرع بن حابس نے آپؐ کو جناب حسنؓ کا بوسہ لیتے دیکھا تو تعجب سے کہا کہ میرے تو دس بیٹے ہیں، میں نے کبھی کسی کو پیار نہیں کیا مگر آپ بوسہ لیتے ہیں۔ فرمایا جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

اپنے ابراہیم صاحبزادے کی وفات ہوئی تو صدمہ سے آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ اسی طرح ایک صاحبزادی کی وفات آپ کی موجودگی میں ہوئی۔ ام ایمن (کنیز) چلا چلا کر رونے لگیں۔ حضورؐ نے منع کیا تو وہ کہنے لگیں کہ آپؐ خود بھی تو رو رہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ ایسا رونا منع نہیں ہے۔ یہ رونا جس رقت کی وجہ سے ہے وہ اللہ کی ایک رحمت ہے۔ اپنی صاحبزادی ام کلثوم کی قبر پر کھڑے ہوئے تو اس وقت بھی آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ عثمان بن مظعون کی میت کے سامنے بھی آپؐ کی آنکھیں اشکبار تھیں اور آپؐ نے ان کی پیشانی پر بوسہ دیا۔[1] اپنے رونے کی کیفیت کو خود یوں بیان فرمایا "آنکھیں اشک آلود ہیں، دل غم زدہ ہے۔ مگر ہم اپنی زبان سے اس کے ماسوا کچھ نہیں کہتے جو ہمارے رب کو پسند ہے۔" غم کی حالت میں اکثر زبان سے یہ الفاظ ادا ہوتے: حسبی اللہ نعم الوکیل۔ رونے میں اونچی آواز نہ نکلتی، بلکہ ٹھنڈا سانس لیتے اور ہانڈی کے ابلنے جیسی آواز سینے سے نکلتی۔ یہ دلِ حساس جب اپنے خدا کے حضورؐ میں عرض و نیاز کر رہا ہوتا یا قرآن وردِ زبان ہوتا تو ایسی حالت میں بھی بسا اوقات پلکوں پر موتی چمکنے لگتے۔ ایک بار عبداللہ ابن مسعود سے فرمائش کر کے قرآن سنا۔ وہ جب سورۃ نسا کی اس آیت پر پہنچے "فکیف اذا جئنا ..." (اس وقت کیا حال ہوگا جب کہ ہم امت میں سے ایک گواہ کو اٹھا کھڑا کریں گے اور ان لوگوں پر تمہیں گواہ بنا کے لائیں گے) تو آنکھوں سے سیلِ اشک رواں ہو گیا۔[2]

یہ رقت سرچشمہ ہے ان جذباتِ ہمدردی و شفقت کا جو حضورؐ کو ساری انسانیت سے تھی اور خصوصاً اسلامی جماعت کے افراد سے! حیرت ہے کہ اس نزاکتِ احساس کے ساتھ حضورؐ نے مشکلات و مصائب کے مقابلے میں کس درجہ کے صبر و استقلال کا مظاہرہ کیا۔

---

[1] شمائل ترمذی۔ باب ما جاء فی بکاء رسول اللہ صلعم [2] ایضاً

ذوقِ مزاح ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ رسولِ خدا خندہ روئی کی صفت سے متصف تھے۔ بلکہ فرمایا "وتبسمك فی وجه اخیك صدقة" (تیرا اپنے بھائی کے سامنے مسکراتے ہوئے آنا بھی ایک کارِ خیر ہے)۔ آپ کی یہ شان بھی بیان ہو چکی ہے کہ کان بساماً ضاحکاً۔ عظیم کارنامے انجام دینے والی شخصیت کے لیے یہ ایک لازمی وصف ہے کہ وہ فرائضِ حیات کے بوجھ کو اپنے تبسّم سے گوارا بنا دے اور ساتھیوں کے دلوں میں گھر کرے۔ آپؐ کا حال یہ تھا کہ قد کان یباسط اصحابه، بما یولج حبّه فی القلوب؟ یعنی آپ ایسے بے تکلفانہ انداز مزاح سے پیش آتے تھے کہ رفقاء کے دلوں میں آپ کی محبت رچ بس گئی تھی۔ آپ ہنسی، دل لگی کی باتیں کرتے اور مجلس میں شگفتگی کی فضا پیدا کر دیتے۔ مگر توازن و اعتدال ہمیشہ ملحوظ رہتا۔ مزاح کا رنگ آٹے میں نمک کی طرح ہلکا رہتا اور اس میں بھی نہ تو خلافِ حق کبھی کوئی بات شامل ہوتی، نہ کسی کی دلآزاری کی جاتی اور نہ ٹھٹھے لگا کر ہنسنا معمول تھا۔ غنچوں کا سا تبسّم ہوتا جس میں زیادہ سے زیادہ دانتوں کے کیلے دکھائی دیتے، حلق نظر نہ آتا۔

ایک بار تعجب سے حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ "آپ ہم سے مذاق بھی فرما لیتے ہیں؟" ارشاد فرمایا "ہاں، مگر میں خلافِ حق کوئی بات نہیں کہتا۔"

یہاں ہم حضورؐ پاک کے مزاح کے چند نمونے درج کرتے ہیں جو سنت کے ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔[2]

— کسی سائل نے سواری کا اونٹ مانگا۔ فرمایا: ہم تمہیں اونٹنی کا ایک بچہ دیں گے۔ سائل نے حیرت سے کہا کہ میں اسے لے کر کیا کروں گا۔ فرمایا: ہر ایک اونٹ کسی اونٹنی کا بچہ ہی ہوتا ہے۔

— ایک بڑھیا نے آکر عرض کی کہ میرے لیے دعا کیجیے کہ خدا مجھے جنت عطا فرمائے۔ حضورؐ نے مزاحاً کہا "اے امّ فلاں! جنت میں کوئی بوڑھی عورت نہیں جا سکتی۔" وہ روتی ہوئی اٹھ کر جانے لگی۔ حاضرین سے فرمایا! اسے کہو کہ خدا تعالیٰ اسے اس بڑھاپے کے ساتھ جنت میں نہیں لے جانے کا بلکہ اس کا ارشاد ہے کہ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا عُرُبًا اَتْرَابًا۔ مراد یہ کہ جنت

[1] المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۲۹۷ [2] بیشتر واقعات شمائل ترمذی سے لیے گئے ہیں۔ باب ما جاء فی صفة مزاح رسول اللہؐ

ہیں جانے والیوں کو اللہ تعالیٰ جوانی سے سرفراز فرمائے گا۔

— زاہر (یا زہیر) نامی ایک بدوی تھے۔ ان سے بے تکلفی تھی۔ آپؐ اپنے اس بدوی دوست کو شہر سے متعلق کاموں میں امداد دیتے (اور وہ دیہات سے متعلق حضورؐ کے کام کرلاتا نیز مخلصانہ جذبے سے ہدیے دیتا رجن کی قیمت حضورؐ باصرار ادا فرماتے)۔ چنانچہ فرماتے کہ زاہر دیہات میں ہمارا گماشتہ ہے اور ہم شہر میں اس کے گماشتہ ہیں۔ یہی زاہر ایک دن بازار میں اپنا کچھ سودا بیچ رہے تھے۔ حضورؐ نے پیچھے سے جاکر چپکے سے آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیئے اور پوچھا بتاؤ میں کون ہوں۔ وہ پہلے تو کچھ نہ سمجھے، پھر جب معلوم ہوا تو فرطِ اشتیاق میں حضورؐ کے سینے سے اپنے کندھے ملتے رہے۔ پھر حضورؐ نے مزاحاً کہا کہ کون اس غلام کو خریدتا ہے۔ زاہر کہنے لگے، یارسول اللہ! مجھ جیسے ناکارہ غلام کو جو خریدے گا۔ گھاٹے میں رہے گا۔ فرمایا: تم خدا کی نگاہ میں ناکارہ نہیں ہو۔

— ایک موقع پر مجلس میں کھجوریں کھائی گئیں۔ آپؐ مزاح کے طور پر گٹھلیاں نکال نکال کر حضرت علیؓ کے آگے ڈالتے رہے۔ آخر میں گٹھلیوں کے ڈھیر کی طرف اشارہ کرکے ان سے کہا کہ تم نے تو بہت کھجوریں کھائیں۔ انہوں نے کہا کہ میں نے گٹھلیوں سمیت نہیں کھائیں۔

— غزوۂ خندق کے موقع پر ایک واقعہ کی وجہ سے حضورؐ خوب ہنسے اور آپ کے دانت (نواجذ) تک دکھائی دیئے۔ ہوا یہ کہ عامر کے والد سعد تیر پھینک رہے تھے۔ ایک دشمن فرد زد پر تھا۔ وہ ڈھال بڑی پھرتی سے چہرے کے سامنے رکھ لیتا۔ سعد کے تیر کاری نہیں بیٹھ رہے تھے۔ آخری بار سعد نے تیر کمان چڑھایا اور تاک میں رہے کہ موقع ملے تو چھوڑیں۔ اس نے جونہی ڈھال سے سر نکالا۔ تیر سیدھا پیشانی میں پیوست ہوگیا۔ اس بُری طرح چکرا کر گرا کہ ٹانگیں اوپر کو اُٹھ گئیں۔

بعد کے لوگوں کو اس رنگِ مزاح کا حال سُن کر تعجب ہوتا تھا، کیونکہ ایک تو مذہب کے ساتھ تقشف کا تصور ہمیشہ موجود رہا ہے اور خدا پرستوں اور متقیوں کی ہمیشہ رونی صورتیں اور خشک طبیعتیں لوگوں کے سامنے رہی ہیں، دوسرے حضورؐ کی عبادتِ رب، حضورؐ کی خشیت، حضورؐ کی بھاری ذمہ داریوں اور حضورؐ کے تفکرات کا خیال کرتے ہوئے یہ سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے کہ اس نمونہ

انسانیت نے ان مسکراہٹوں کے لیے زندگی کے نقشے میں کیسے جگہ پیدا کی۔ چنانچہ ابن عمرؓ سے پوچھا گیا کہ "کیا رسول اللہ کے رفقا بھی ہنسا کرتے تھے؟" انہوں نے فرمایا: "ہاں، ہنستے تھے اور ان کے دلوں میں پہاڑ سے زیادہ بڑا ایمان تھا (یعنی ہنسی دل لگی ایمان و تقویٰ کی نقیض نہیں ہے) بتیروں کا نشانہ (بطورِ مشق) کرتے ہوئے دوڑتے تھے اور باہم دگر ہنستے تھے۔" (روایت قتادہ)

یہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ نمازِ صبح کے بعد مجلس رہتی اور اس میں جاہلی دور کی باتیں بھی چھڑتیں اور صحابہ کے ساتھ رسولِ اکرم بھی خوب ہنستے۔ بچوں سے آپؐ کے دل لگی کرنے کے واقعات بھی ہم بیان کر چکے ہیں۔ علاوہ ازیں گھر میں ازواج کے ساتھ ہنسنے ہنسانے کا ذکر بھی گزر چکا ہے۔

تفریحات متوازن زندگی کا ایک لازمی جزء تفریحات (جائز حدود میں) بھی ہیں۔ مزاح کی طرح یہ جزء ساقط ہو جائے تو زندگی بوجھ بن جاتی ہے اور جس نظامِ حیات میں تفریحات کی گنجائش نہ رکھی گئی ہو اسے کوئی معاشرہ دیر تک اٹھا نہیں سکتا۔ حضورؐ کو بھی بعض تفریحات پسند تھیں اور جائز حدوں میں ان کے لیے راستے نکالے۔

شخصی طور پر آپؐ کو باغوں کی سیر کا شوق تھا۔ کبھی تنہا اور کبھی رفقا کے ساتھ باغوں میں چلے جاتے اور وہیں مجلس آرائی بھی ہو جاتی۔

تیرنے کا مشغلہ بھی تھا اور احباب کے ساتھ کبھی کبھار تالاب میں تیرا کرتے۔ دو دو ساتھیوں کے جوڑ بنائے جاتے اور پھر ہر جوڑ کے ساتھی دُور سے تیر کر ایک دوسرے کی طرف آتے ایک موقع پر اپنا ساتھی حضورؐ نے جناب ابوبکر صدیقؓ کو پسند کیا۔

وقفے کے بعد بارش پڑتی تو تہ بند باندھ کر پھوار میں نہایا کرتے۔ کبھی تفریحاً کسی کنوئیں میں پاؤں لٹکا کے اس کے دہانے پر بیٹھتے۔[1]

دوڑوں اور تیر اندازی کے مقابلے کراتے اور اکھاڑے میں خود پوری دلچسپی سے شریک رہتے۔ ایسے موقعوں پر ہنسی بھی ہوتی۔

---

[1] شمائل ترمذی۔ مختلف ابواب۔

مسرت کے موقعوں پر پسند تھا کہ دف بجائی جائے یا بچیاں گیت گائیں۔ چنانچہ عید کی تقریب پر حضرت عائشہؓ کے پاس دو لڑکیاں گیت گا رہی تھیں۔ حضورؐ قریب ہی لیٹے تھے ابوبکر صدیقؓ آئے تو غصے میں ڈانٹا کہ خدا کے رسول کے گھر میں یہ کیا شیطانی ہنگامہ مچا رکھا ہے۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ انہیں گانے دو[1]۔

شادی بیاہ کے لیے بھی فرمایا کہ ایسے موقعوں پر دف بجائی جائے (روایت عائشہ و محمد بن حاطب الجمحی)۔ حضرت عائشہ ہی بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس ایک انصاری لڑکی رہتی تھی۔ میں نے اس کا نکاح کر دیا تو حضورؐ نے فرمایا: "عائشہ تم گانے کا انتظام نہیں کراتیں۔ حالانکہ قبیلۂ انصار گانے کو پسند کرتا ہے۔" ایک دوسری روایت میں (غالباً اسی موقعے سے متعلق) یہ آتا ہے کہ "تم لوگ کسی گانے والے کو لڑکی کے ساتھ بھیجتے جو کہتا: "اَتَیْنَاکُمْ اَتَیْنَاکُمْ فَحَیَّانَا وَحَیَّاکُمْ" (ہم تمہارے پاس آئے، ہم تمہارے پاس آئے پس تم بھی سلامت رہو، ہم بھی سلامت رہیں) ایسی ہی ایک بزم عروسی میں بچیاں کچھ گا رہی تھیں۔ حضرت عامر بن سعد نے بعض حاضرین سے بطور اعتراض کہا کہ "اے صحابیانِ رسول! اے شرکائے بدر! تمہارے سامنے یہ کچھ ہو رہا ہے؟" جواب ملا "جی چاہے تو بیٹھ کر سنو ورنہ چلے جاؤ، ہمیں رسول اللہ نے اس کی اجازت دی ہے[2]۔"

از انجملہ حضورؐ نے شعر سے بھی دلچسپی لی ہے۔ عرب میں جو شعر پرستی رائج تھی اس سے تو آپ کو بُعد تھا۔ آپؐ کو نعمۂ الہام کی جاذبیتیں اتنا موقع ہی نہ دیتی تھیں کہ شعر و سخن کی طرف زیادہ توجہ ہو۔ مگر دوسری طرف ذوقِ شعر سے قدرت نے محروم نہیں رکھا۔ اچھے شعر (بلحاظ مقصد) کی قدر فرماتے تھے۔ بلکہ کہنا چاہیے کہ حضورؐ نے ایک نیا ذوق معاشرے کو دیا اور ایک نیا معیارِ نقد مقرر فرمایا۔ جابر بن سمرہؓ کا بیان ہے کہ حضورؐ کی خدمت میں ایسی سَو سے زیادہ

---

[1] روایت عائشہ (مسلم ــــ باب مایقول الجواری فی العید)

[2] ملاحظہ ہو: مشکوٰۃ باب اعلان نکاح۔

مجالس میں شریک ہوا ہوں جن میں جاہلیت کے قصے بھی ہوتے تھے اور صحابہ شعر بھی سنایا کرتے۔ شاعرانِ عرب کے کلام میں سے ایک بار لبید کا یہ مصرع پسندیدگی سے پڑھا: "اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہُ بَاطِلٌ" (آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کے سوا ہر چیز فانی ہے)۔ دوسرا مصرعہ ہے: وَ کُلُّ نَعِیْمٍ لَا مُحَالَۃَ زَائِلٌ۔ (دنیا کی ساری نعمتیں زائل ہو جانے والی ہیں)۔ حضرت شرید سے ایک سفر میں یکے بعد دیگرے فرمائش کر کر کے امیہ ابن ابی صلت کے سو شعر سنے۔ آخر میں فرمایا کہ یہ شخص اسلام لانے کے قریب پہنچ گیا تھا۔ بعض اوقات خود بھی (خصوصاً میدانِ جنگ میں) بلا ارادہ شعر کے انداز پر کلمات فرمائے ہیں۔ حضرت حسّان اور کعب بن مالک سے دشمنانِ اسلام کے ہجویہ اشعار کے جواب میں شعر کہلاتے اور کبھی کبھی حضرت حسّان کو اپنے منبر پر بٹھا کر ان سے پڑھواتے اور کہتے کہ "یہ اشعار دشمنوں کے حق میں تیر سے زیادہ سخت ہیں"۔ یہ بھی فرمایا کہ مومن تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور زبان سے بھی۔ شعر و ادب، نیز دوسرے ثقافتی موضوعات پر ہم تفصیل سے ایک علیحدہ مقالے میں بحث کر کے دکھانا چاہتے ہیں کہ حضورؐ نے انسانی ذوق کو کس تعمیری راستے پر ڈالا تھا۔

چند متفرق ذوقیات آخر میں ہم بعض ایسے خاص ذوقیات و اطوار کا ذکر کرتے ہیں جنہیں کسی دوسرے عنوان کے تحت نہیں لیا جا سکا۔

— کسی سے چیز لیتے تو سیدھے ہاتھ سے لیتے اور کوئی چیز دیتے تو سیدھے ہاتھ سے دیتے۔

— خطوط لکھواتے تو سب سے پہلے بسم اللہ لکھواتے۔ پھر مرسل کا نام اور اس کے نیچے مرسل الیہ کا نام ہوتا۔ اس کے بعد اصل مضمون لکھا جاتا۔ خاتمے پر مہر لگواتے۔

— حضورؐ اوہام پسندی سے پاک تھے اور شگون نہ لیتے تھے۔ البتہ اشخاص اور مقامات کے اچھے نام پسند آتے۔ بُرے نام پسند نہ کرتے۔ سفر میں اقامت کے لیے ایسا ہی مقام انتخاب کرتے جس کے نام میں خوشی یا برکت یا کامیابی کا مفہوم ہوتا۔ اسی طرح جس شخص کے نام میں لڑائی جھگڑے یا نقصان کا معنی شامل ہوتا اسے کام نہ سونپتے۔ ایسے آدمیوں کو نامزد کرتے جن کے

ناموں میں خوشی یا کامیابی کا مفہوم پایا جائے۔ بہت سے ناموں کو تبدیل بھی فرمایا۔

— سواریوں میں سے گھوڑا بہت پسند تھا۔ فرماتے گھوڑے کے ایال میں قیامت تک کے لیے خیر و برکت ہے۔ گھوڑے کی آنکھ، منہ، ناک کو اہتمام سے اپنے ہاتھوں سے صاف کرتے۔

— شور، ہنگامہ اور ہڑبونگ اچھی نہ لگتی۔ ہر کام میں سکون و وقار اور نظم و ترتیب چاہتے۔ نماز تک کے بارے میں کہا کہ بھاگم بھاگ نہ آؤ "علیکم بالسکینۃ" (تمہارے لیے سکون و وقار لازم ہے)۔ یوم عرفہ کو ہجوم تھا اور بڑا شور و ہنگامہ تھا۔ لوگوں کو اپنے تازیانہ سے اشارہ کرتے ہوئے نظم و سکون کا حکم دیا اور فرمایا "فان البر لیس بالایضاع" (جلدی مچانے کا نام نیکی نہیں ہے)[1]

اخلاق: حضور پاک کے اخلاق کا بیان یہاں کسی ضمنی عنوان کے تحت کیا نہیں جاسکتا۔ وہاں تو پوری زندگی حسنِ خلق ہی کی تفسیر ہے جس کے متعلق حضرت عائشہ نے فرمایا تھا "کان خلقہ القرآن"۔ انس بن مالک کا یہ قول بہت ہی جامع ہے کہ: کان احسن الناس وکان اجود الناس وکان اشجع الناس[2]۔ احسن الناس ہونے کی کیفیت یہ تھی کہ کسی کو عمر بھر تکلیف نہیں پہنچائی (ماسوا ان باتوں کے جو حکم الٰہی کے تحت تھیں) اور دوسروں کی زیادتیوں پر کبھی انتقام نہیں لیا۔ ہر کسی سے عفو فرمایا، یہاں تک کہ مکہ اور طائف کے بدترین دشمنوں کو معاف کیا اور منافقین اشرار سے درگزر کیا۔ اجود الناس ہونے کا عالم یہ تھا کہ جابر کہتے ہیں کہ رسول اللہ سے جو کچھ بھی کسی نے مانگا، آپ نے کبھی نہ نہیں کی[3] (موجود ہوا تو دے دیا، کبھی قرض لے کر دیا، نہیں موجود ہوا تو دوسرے وقت آنے کو کہا، یا سکوت اختیار کیا)۔ اشجع الناس ہونے کے لیے فی الجملہ یہ امر کافی ہے کہ نظریۂ حق کو لے کر تن تنہا اٹھے اور زمانے بھر کی مخالفتوں اور مظالم کے مقابلے میں جمے کھڑے رہے۔ کبھی کسی خطرناک ترین موقع پر بھی خوف یا کمزوری کا اظہار نہ کیا۔ غارِ ثور ہو یا احد و حنین کے معرکے، ہر موقع پر یقینِ محکم کا مظاہرہ کیا۔

---

[1] بخاری و مسلم [2] مسلم باب فی شجاعۃ النبی صلعم [3] باب ما سئل النبی صلعم ... الخ۔

معیارِ انسانیت ان چند اشارات کے ذریعے سرورِ عالم کی عظیم المرتبت شخصیت کا ایک اجمالی خاکہ ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ اس خاکے کو سامنے رکھیے، اس کے توازن اور اس کی جامعیت کو دیکھیے، پھر غور کیجیے کہ اس خاکے میں کیسا رنگ بھرا جا سکتا ہے اور وہ کیا رنگ ہیں جو اس کے ساتھ نسبت نہیں پا سکتے۔ اس کی شخصیت میں کیسا ایمان ہونا چاہیے، کیسا کردار ہونا چاہیے، کیسے کارناموں کی اس سے توقع کی جانی چاہیے، اس کا کیا درجہ محفلِ انسانیت اور بزمِ خلائق میں ہو سکتا ہے۔ اس کا پیغام کس شان کا پیغام ہوگا، اس کے تشکیل دیئے ہوئے انسان کس طرز کے انسان ہوں گے، اس کا برپا کردہ تمدن کس نوعیت کا تمدن ہوگا۔ دیکھو کہ اس خاکے میں کوئی پہلو ساقط نہیں، کوئی افراط و تفریط نہیں، کوئی خط کج نہیں ہوا۔ کوئی نقطہ بدنما نہیں، کوئی گوشہ بے معنی نہیں۔ یہاں گہری فکر ہے تو ساتھ ہی جوشِ عمل کارفرما ہے، سنجیدگی و وقار ہے تو اس کے ساتھ لطافت و مزاح بھی ہے۔ پرداتعات اجتماعیت ہے تو ساتھ ہی گھریلو زندگی کا نکھار بھی ہے، سیاست ہے تو اس میں روحانیت و اخلاق کا رنگ بھی شامل ہے، زہد و تقویٰ ہے تو اس کے ساتھ انتظامِ دنیا کی تدبیریں بھی ہیں، فقر و فاقہ ہے تو اس کے ساتھ ذوقِ اعلیٰ بھی موجود ہے۔ انتہائی تحمل و برداشت ہے تو اس کے ساتھ ظلم کے استیصال کے لیے بازوئے شمشیر زن بھی ہے۔ اس ہستی کے چہرے کو دیکھو، اس کے لباس کو دیکھو، اس کی نشست و برخاست کا جائزہ لو، اس کے احباب اور اس کی مجالس کا رنگ دیکھو، اس کے لمحاتِ مسرت اور ساعاتِ غم پر نگاہ ڈالو، اس کے آداب و اطوار کو پرکھو — اور پھر بتاؤ کہ یہ شخصیت معیارِ انسانیت ہے یا نہیں۔

سوچو کہ اس خاکے پر مبنی شخصیت کے بارے میں جن لوگوں نے تعصب زدہ ذہن سے بری باتیں سوچیں اور لکھیں، انہوں نے عین روحِ انصاف کے ساتھ کتنا ظلم کیا اور خود اپنے آپ کو کس نعمت سے محروم رکھا۔